

بین الاقوامی اتحاد



ادارہ اقوام متحدہ (اتحادی سمجھا) ہندو چین۔ نوآبادیاتی نظام
اور علاقائی سلامتی کے انتظامات کے متعلق روٹری انٹرنیشنل کے ۴۵ ویں سالانہ
کنوینشن کے سامنے امریکہ کے وزیر خارجہ مسٹر جان فوسٹر ڈلز کا وضاحتی خطبہ۔
ان سلامتی بہتر معیار زندگی، زیادہ وسیع پیمانے پر آزادی حاصل کرنے میں جو
لوگ اپنی مدد آپ کر رہے ہیں انہیں امریکہ کی طرف سے امداد دیئے جانے کی
پالیسی کا آپ نے اعادہ کیا۔

بین الاقوامی اتحاد

آج مجھے بہت سے مختلف ملکوں کے نمائندوں کو دیکھ کر جوش انگیز مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ آپ یہاں اس لئے جمع ہوئے ہیں کیونکہ آپ بھی ان آدرشوں میں شریک ہیں۔ جن کی نمائندگی روڈری می انٹرنیشنل کی تنظیم کر رہی ہے۔ اس طرح اختلافات اتحاد کا مظہر ہے۔ اختلافات اکثر تکلیف دہ حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ اختلافات کی وجہ سے ہی زندگی مالا مال ہوتی ہے۔ کوئی بھی دو انسان ایک دوسرے کے عین مشابہ نہیں ہوتے۔ اس لحاظ سے ہم میں سے ہر ایک اقلیت میں ہے۔ یعنی فرد واحد کی اقلیت۔ اس کے برعکس باہمی مشابہت کے ایسے عنصر بھی ہیں جو تمام نوع انسانی کو واحد انسانی کنبے کے بھائی چارے کے رشتہ میں باندھتے

اختلاف کی بنیاد پر اتحاد کی عمارت تعمیر کرنے کی کوشش سے زیادہ مشکل اور کوئی مسئلہ نہیں۔ مجھے اس کے متعلق اکثر کانگریس کی ان کمیٹیوں میں بولنا پڑتا ہے، جو باہمی سلامتی اور بیرونی ملکوں کی امداد کے لئے میزانیہ بنانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہاں اس بات پر میں نے زور دیا ہے کہ ہمیں اپنا دوستانہ تعاون صرف ان تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہیے جو ہمارے ساتھ تمام باتوں میں متفق ہیں۔ میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ایک آزاد سماج کا مطلب ہی اختلاف رائے ہے۔ اس کے برعکس ہمیں اس حقیقت سے اپنی آنکھیں نہیں موندنی چاہئیں کہ اختلافات اس حد تک بڑھ سکتے ہیں جہاں وہ حقیقی خطرہ بھی بن جاتے ہیں۔

اختلافات کس حد تک قابل برداشت ہوتے ہیں اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ کس حد تک خطرناک ہیں اور ایسا وقت بھی آتا ہے جبکہ اختلافات کو رضا کارانہ طور پر ختم کر دینا چاہیے۔

شاید آج غیر اشتراکی دنیا کے ممبروں کے مابین حد سے زیادہ اختلاف موجود ہے۔ بے شک اختلافات معاملات امور خارجہ کی انجام دہی کے بوجھ کو کئی گنا بڑھا دیتے ہیں۔

بہر حال ہم اس بات پر خوش ہو سکتے ہیں کہ ہم اختلاف اور اتحاد کے درمیان باثر وجود مشترک کے بلند نصب العین کو قائم رکھ سکتے ہیں (یعنی اختلاف اور اتحاد دونوں ایک ساتھ چل سکتے ہیں اور ان کا نتیجہ مفید ہو سکتا ہے)۔

کیونسٹوں نے مایوسی میں اس نصب العین کو حاصل کرنے کی کوشش ترک کر دی ہے۔ انہوں نے مادی لالچ کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ جو موافقت کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ اور انسانی اختلافات کو ایک ایسی بُرائی سمجھتا ہے جسے طاقت و جبر سے دبایا جانا چاہیئے۔

پرولتاری ڈکٹرشپ (مزدور طبقہ کی مطلق العنانیت) ہر فرد واحد کے متعلق یہ تعین کرتی ہے کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ وہ مرد یا عورت کہاں اور کیسے کام کرے۔ انہیں کیا سوچنا چاہیئے اور انہیں کیا یقین کرنا چاہیئے۔ اس طرح وہ ایک قسم کا اتحاد حاصل کر لیتے ہیں۔

بہر حال یہ اتحاد ایسا ہے جو خوفناک قیمت پر خرید اگیا ہے۔ یہ قیمت ہے ————— انفرادی انسان کے وقار اور اس کی قابلیت و صلاحیت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہونا۔

ایسی قیمت ادا کرنے سے بہتر یہی ہے کہ ہم ایسے تمام
بوجھ اور اکثر پیش آنے والی ناکامیاں قبول کریں۔ جو اتحاد اور
اختلاف کو ملانے کی کوشش کا لازمی نتیجہ ہیں۔

ہم یہ بھی جان سکتے ہیں کہ اس معاملہ میں وقت ہمارے لئے
خود کام کر رہا ہے۔

ایسے حالات بھی رونما ہوتے ہیں جن کے زیر اثر شاید
طویل عرصے تک موافقت ٹھونس جاسکتی ہے۔ لیکن کوئی
آہنی ربط و ضبط اور پولیس راج کا نظام اُن روحانی اور قدرتی
قوتوں کو مغلوب نہیں کر سکتے۔ جن سے انسانوں میں تنوع پایا جاتا ہے
جو لوگ جبر یہ موافقت کی بنا پر اپنے مستقبل کی بازی لگاتے ہیں،
ان کی ناکامی یقینی ہے۔

اقوام متحدہ

بہر حال یہ کافی نہیں کہ ہم اپنے اختلافات پر بغلیں
بجائیں۔ ہمیں ایسی تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں، جن کی بدولت
ہم اختلافات کے باوجود باہمی تعاون کر سکیں۔

اس دور میں جبکہ سائنس نے فاصلے کو تقریباً ختم کر دیا ہے

یہ بات لازمی ہے کہ انسان میل ملاپ کے ادارے قائم کرے۔ ان میں سے اقوام متحدہ کا ادارہ نہایت اہم ہے۔ میں جانتا ہوں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اقوام متحدہ کے ادارے سے مایوس نظر آتے ہیں۔ کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ حد سے زیادہ اختلاف کی نمائندگی کرتا ہے۔ بعض لوگ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ رکنیت گھٹائی جائے، تاکہ جو باقی رہ جائیں اُن میں زیادہ موافقت پائی جائے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ موجودہ اختلافات اور ووٹنگ کا موجودہ طریق کار ایک سرگرم ادارے کی حیثیت سے اقوام متحدہ کی افادیت کو زک پہنچاتا ہے۔ لیکن قابلیت پیدا کرنے کے لئے ممبروں کی تعداد میں متواتر کمی کرنے کے بغیر بھی اس کا علاج ہو سکتا ہے۔

یہ بات کو ریا میں ثابت کی گئی ہے کہ ادارہ اقوام متحدہ نوجوں کو حرکت میں لاسکتا ہے۔

تاریخ میں پہلی بار وہاں ایک بین الاقوامی تنظیم نے جارحیت کا مقابلہ کرنے اور اسے پسپا کرنے کے لئے واقعی عملی اقدام کیا۔ اقوام متحدہ کے سولہ ممبروں نے جنگ میں جہور یہ کو ریا کا ساتھ دیا اور اس وقت تک حملہ آوروں کے خلاف جنگ میں

میں شامل رہے۔ جب تک انہیں روک نہ دیا۔ اور حالت ایسی تھی کہ اقوام متحدہ نے محسوس کیا کہ اس نے وہ تمام مقاصد حاصل کر لئے ہیں جو طاقت کے استعمال کو انصاف پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد امریکہ نے اقوام متحدہ کی طرف سے جنگ بندی کی بات چیت کی۔ اور اب جینوا میں ہم نے جمہوریہ کوریا اور دوسروں کے ساتھ شرکت کی ہے۔ تاکہ ایسے امن کی تلاش کریں جس سے کوریا آزادی کے ساتھ متحد ہو جائے۔

بہر حال حملہ آور کمیونسٹ گروہ اس بات پر اصرار کر رہا ہے کہ کوئی بھی حل ایسی شرطوں پر ہوگا جن میں ادارہ اقوام متحدہ کو ایک نقصان رساں کے طور پر شامل کیا جائے۔ کیونکہ اس نے اُن کے حملہ کا مقابلہ کیا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ ایسا مسئلہ نہیں جس پر سمجھوتہ کیا جائے۔

بہت سے ملکوں سے بہت سے لوگ کوریا گئے۔ اور وہاں جنگ میں کام آئے۔ انہوں نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ ان کے ملکوں نے کوریا کے دفاع کا خاص طور پر حلف لے رکھا تھا۔ بلکہ کوریا ایک ایسے اصول کی علامت تھا، جس کا نفاذ عالمگیر ہے۔ انہوں نے امن، سلامتی اور سب کے لئے انصاف برتنے والی بین الاقوامی قوت

کی حیثیت سے ادارہ اقوام متحدہ کے اختیار اور وقار کو ترقی دینے کا جتن کیا۔ اگر حملہ آور اور ان کے شریک کار انجام کار جینوا میں اقوام متحدہ کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں، تو یہی بہتر تھا کہ کوریاء کی جنگ کبھی نہ لڑی جاتی۔

ہند چینی

دوسرا سیاسی معاملہ جس سے آج تشویش پیدا ہو رہی ہے ہند چین کی جنگ ہے۔ وہاں ویت نام کی حکومت ان متحدہ دانہ باغی قوتوں کا شکار بن رہی ہیں۔ جنہیں بیرون ملک سے براہِ نگیختہ کیا جا رہا ہے اور سامان دیا جا رہا ہے۔

لاؤس اور کمبوڈیا پر حملہ ہو چکا ہے۔ اور تھائی لینڈ پر حملے

کا خطرہ ہے۔ پوچھا جاسکتا ہے یہ حالات اب سے پہلے اقوام متحدہ میں کیوں پیش نہیں کئے گئے تھے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ امریکہ نہیں چاہتا تھا کہ اس معاملہ میں اقوام متحدہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔

بہر حال اب تھائی لینڈ نے جو اقوام متحدہ کے ممبروں میں

سے ہے یہ معاملہ اقوام متحدہ میں پیش کر دیا ہے۔ اور سیکورٹی کونسل

سے درخواست کی ہے کہ اس علاقہ میں امن کی دیکھ بھال کرنے والا ایک کمیشن

بھیجا جائے۔ تھائی لینڈ کو اس معاملہ میں ہماری پرزور حمایت حاصل ہے۔ گذشتہ ہفتے سیکورٹی کونسل نے اس معاملہ کو اپنے ایجنڈا میں شامل کر لیا ہے۔ یہ فیصلہ وٹس اور ایک ووٹ کے تناسب سے کیا گیا۔

اختلافی ووٹ صرف روس نے ڈالا۔ بعض حلقوں کی طرف سے یہ سمجھاؤ دیا گیا ہے کہ اگر تھائی لینڈ کی اپیل کا جواب اثبات میں دیا گیا تو جینوا میں ہند چین کے امکانی امن کے متعلق جو بات چیت ہو رہی ہے اس میں کسی طرح سے رکاوٹ پڑ سکتی ہے۔

یہ دلیل کوئی جواز نہیں رکھتی۔ امن کی دیکھ بھال کرنے والے کمیشن کو فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ محض حالات کے متعلق رپورٹ پیش کرنے والی جماعت ہے۔ اور عالمی برادری کی آنکھیں اور کان ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر کہ اقوام متحدہ کے نمائندے اس علاقے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی اطلاعات بھیجیں گے۔ یہ سمجھنا دشوار ہے کہ جینوا میں جو بات چیت ہو رہی ہے اس میں کیوں رکاوٹ پڑے گی۔ صحیح حالات کا علم آج تک کبھی دیا نہ ارانہ بات چیت میں رکاوٹ نہیں بنا۔

نوآبادیاتی نظام

ادارہ اقوام متحدہ کے منشور کا ایک اور پہلو بھی ہے جس کا میں حوالہ دوں گا۔ یعنی محکوم قوموں کو بڑھتی ہوئی خود مختاری دینے جانے کے حق میں اس کا (اقوام متحدہ) اعلان۔ یہ دفعہ اور ٹرسٹی شپ کے متعلق دفعات بہت حد تک امریکہ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ بات عین قدرتی تھی کہ امریکہ اس معاملہ میں رہنمائی کرتا۔ ہم خود موجودہ دور کی پہلی نوآبادی ہیں۔ جس نے آزادی حاصل کی ہے۔ ہمیں ان لوگوں سے ہر کہیں قدرتی ہمدردی ہے، جو ہماری مثال کی تقلید کریں۔ حالیہ چند برسوں میں کمیونسٹوں کا پراپیگنڈہ اس کوشش پر مرکوز ہو گیا ہے کہ امریکہ کو سامراج اور نوآبادیاتی نظام کی حامی طاقت کی شکل میں پیش کیا جائے۔

یہ الزام اس بنا پر لگایا جا رہا ہے کہ ہم برطانیہ، فرانس اور مغربی یورپ کی ان طاقتوں سے گہرا دوستانہ میل جول رکھتے ہیں جو نوآبادیاتی طاقتیں رہی ہیں۔ اور کسی حد تک اب بھی ہیں۔

بہر حال اس حقیقت کو نہیں بھولنا چاہیے کہ پچھلے نو برسوں میں مغربی نوآبادیاتی طاقتوں نے ادارہ اقوام متحدہ کے منشور پر عمل کرنے

کے حلف کو اس حد تک عملی صورت دی ہے کہ ساٹھ کروڑ سے زیادہ لوگوں کو مکمل سیاسی آزادی ملی ہے۔ جو دس خود مختار ملکوں پر مشتمل ہیں۔ جو لوگ بیانگ دہل ”نوآبادیاتی نظام“ پر حملہ کرتے ہیں خود انہوں نے اسی پچھلے نو برسوں کے عرصہ میں ساٹھ کروڑ سے زائد انسانوں پر اپنی جاہلانہ حکومت کو توسیع دی ہے اور ان گیارہ ملکوں کو جو کبھی آزاد تھے کلیتہً یا جزوی طور پر حقیقی خود مختاری کی شکل و شباہت تک سے محروم کر دیا ہے۔

پہلے کبھی اتنے ”بڑے بھوٹ“ کا فن اس قدر دیدہ دلیری سے عمل میں نہیں لایا گیا۔ آپ لوگ اس بات کا خیال تک نہ کریں کہ ہم نوآبادیاتی صورت حالات کے بارے میں مطمئن ہیں۔ ناجائز کارروائیاں ابھی جاری ہیں۔ اور خود مختاری میں اضافے کے عمل کی رفتار دھیمی پڑ رہی ہے۔ بہر حال اس کی وجہ بڑی حد تک کمیونسٹ روس کی یہ حکمت عملی ہے کہ نیشنل ازم (قوم پرستی) کو ایسے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جائے کہ جس سے نوآبادیوں کی قوموں کو یہ اپنے اندر جذب کر سکے۔

اس سازش پر سرگرمی سے عمل جاری ہے۔ جن ملکوں نے نئی نئی آزادی حاصل کی ہے یا جو آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں کمیونسٹ ان کے طول و عرض میں عام طور پر مقامی محبان وطن (دیش بھگتوں)

کے بھیس میں کام کرتے ہیں۔

حقیقت میں وہی نئے ڈھنگ کے سامراجی ہیں۔ اور

نواآبادیاں قائم کر رہے ہیں۔

آج ہند چین میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کمیونسٹوں کی اس چال کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ ماسکو میں تربیت یافتہ ایک کمیونسٹ ہو چکی زن پہلے چین بھیجا گیا اور پھر ہند چین میں۔ تاکہ وہاں کے عوام کی قوم پرستانہ خواہشات و جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھائے۔ اس شخص نے ہند چین میں ایک انقلابی تحریک چلائی۔ جو وہاں کے باشندوں کی حقیقی حمایت حاصل کرنے میں کوشش کا باعث بنی۔ اُس نے اپنی انقلابی تحریک کو ایسے تشدد کی صورت دی جو صرف کمیونسٹ ملکوں سے سامان کی دستیابی اور تربیت کی امداد ملنے سے ہی کامیاب ہو سکتی تھی۔ اس کے باعث بیرونی کمیونسٹوں کی طرف سے حمایت پر اتنا انحصار کرنا پڑا کہ اگر اب ویت نام لاؤس یا کمبوڈیا میں سے کوئی بھی قوم ہو چکی منہ کے زیر اقتدار آگئی تو وہ حقیقت میں خود مختار نہیں ہوگی۔ انہیں ایک بے رحمانہ آمریت کے تحت روسی، چینی کمیونسٹ حلقے میں شامل کر لیا جائے گا۔ اور سوویت کمیونسٹ پارٹی کے آہنی انضباط کو تسلیم کرتے ہوئے وہ خود ساختہ اعلان کے مطابق عالمی پرولتاریہ کا جنرل اسٹاف ہوں گے۔

کیونست چالوں سے دنیا کے بیشتر حصہ میں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ حقیقی خود مختاری حاصل کرنا بے انتہا مشکل اور نازک کام بن گیا ہے۔ میں آپ کو دو باتوں کا یقین دلا سکتا ہوں :-

۱۔ یہ کہ امریکہ دوسرے ملکوں میں مختار حکومتوں کے قیام کے حق میں زور لگا رہا ہے۔ ہم اس سے بھی کچھ زیادہ ہی کرتے ہیں جس کا پبلک طور پر علم ہے۔ کیونکہ ایسے معاملات میں کھلا دباؤ شاذ و نادر ہی بہترین نتائج پیدا کرتا ہے۔

۲۔ جب ہم اس معاملے میں تخت سے کام لیتے ہیں، تو اس کی وجہ یہ معقول اعتقاد ہوتا ہے کہ تیز کارروائی سے حقیقت میں سچی خود مختاری حاصل نہیں ہوگی۔

بے شک بعض حالات میں جلد بازانہ کارروائی سے انتشار اور تفریق پیدا ہوتی ہے۔ جس سے موجودہ بے بسی (محکومیت) سے بھی کہیں زیادہ سخت غلامی میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

کچھ عرصہ گزرا امریکہ نے ایسی شرائط کا خاکہ پیش کیا جو اُسکی رائے میں جنوب مشرقی ایشیا کے اجتماعی دفاع کو حق بجانب قرار دیتا ہے۔ ان شرطوں کی فہرست میں سب سے اول یہ شرط رکھی گئی تھی کہ اس بات کی یقین دہی ہونی چاہیے کہ فرانس حقیقت میں اپنے ۳ جولائی ۱۹۵۳ء کے

اعلان کو پورا کریگا۔ جس میں ہندوستانی کو مکمل خود مختاری دینے کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا۔ امریکہ کسی صورت بھی نوآبادیاتی نظام کی حمایت میں نہیں لڑے گا۔

اجتماعی سلامتی نظام

امریکہ ادارہ اقوام متحدہ کا وفادار ممبر ہونے کے علاوہ کئی ایک علاقائی اور سلامتی معاہدوں میں بھی شامل ہے۔ ادارہ اقوام متحدہ کے منشور نے ان معاہدوں کا اختیار دیا ہے اور اسی منشور کے اندر اندر رہ کر عمل ہوتا ہے۔ ان میں سے سلامتی کے وہ دو بڑے معاہدے ہیں :-

ایک امریکہ کارینو پیکیٹ ہے جس میں اکیس ممالک شامل ہیں۔

دوئم شمالی اٹلانٹک معاہدہ ہے جس میں چودہ ملک شامل ہیں۔

شاید یہ بدقسمتی ہے کہ ہمیں اقوام متحدہ سے باہر جا کر سلامتی کو تلاش کرنا پڑتا ہے۔ ادارہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اس غرض سے قائم کی گئی تھی کہ یہ "بین الاقوامی امن و سلامتی کی برقراری کے لئے ابتدائی ذمہ داری سنبھالے گی۔" لیکن حق تیئسخ کی وجہ سے یہ قابل انحصار نہیں رہی۔ کوریاء کے خلاف جارحانہ اقدام کے معاملہ میں سلامتی کونسل اس لئے کارروائی کرنے کے قابل ہوئی تھی کہ ان دنوں روس نے سلامتی کونسل

کا مقاطعہ کر رکھا تھا۔

بہر حال سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اُس نے حق تنسیخ کا اس طرح ناجائز استعمال کیا ہے، کہ اب تک اُس نے ۵۸ بار تنسیخی ووٹ دیئے ہیں۔ اس کی وجہ سے سلامتی کونسل پر تکیہ نہیں کیا جاسکتا۔ سلامتی کونسل کی اس مفلوج حالت کی وجہ سے بعض ایسے ملکوں نے جو باہمی رفائت اور مشترکہ خطرے کے پیش نظر آپس میں متحد تھے۔ انہوں نے ہی اپنی اجتماعی سلامتی کے لئے اقوام متحدہ کے منشور کی دفعہ ۵۱ کے تحت ایک تنظیم قائم کی۔ ان تنظیموں کو بھی اپنے مسائل کا سامنا ہے۔ بے شک شمالی اطلانتک معاہدہ کی تنظیم اور امریکن سٹیٹس معاہدہ جات کی تنظیم کو کڑی آزمائشوں کا سامنا ہے۔

نیٹو (این اے ٹی، او)

مغربی یورپ میں شمالی اطلانتک معاہدہ آرگنائزیشن اس خیال سے قائم کی گئی ہے کہ مغربی یورپ کے دیشوں میں اتحاد پیدا کیا جائے۔ جس میں فرانس اور جرمنی دونوں شامل ہوں گے۔ اور ایسے اختلافات کا امکان ختم کر دیا جائے جو ماضی میں ہمیشہ فزوں تر شدت کے ساتھ پے در پے جنگوں کی طرف لے جاتے رہے ہیں۔ اس مقصد

کے لئے فرانس نے یورپی دفاعی برادری قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس میں مغربی یورپ کے براعظم کے چھ ملک شامل ہوں گے جو ایک یورپی فوج بنائیں گے، جو یورپ میں کلی طور پر ان کی ملکی فوجوں کی جگہ لے گی۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یورپ میں فرانس اور جرمنی کی اپنی الگ فوجیں نہیں ہوں گی۔ بلکہ یورپ میں دونوں ملکوں کی فوجیں دوسری فوجوں میں ملائی جائیں گی۔ اور ایک ایسی یورپی فوج بنائی جائے گی جو کسی ملک کی زیر ہدایت کام نہیں کرے گی۔ اور اسے کسی ایک ملک کی خواہشات کی تکمیل کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔

تقریباً دو برس سے اوپر ہو گئے کہ طویل بات چیت کے بعد یورپی دفاعی برادری قائم کرنے کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔ پچھلے برس کے دوران میں اس معاہدے پر دستخط کرنے والے چھ ملکوں میں سے چار کی حکومتوں نے اس معاہدے کی تصدیق کے متعلق کارروائی مکمل کر لی۔ امریکہ اور برطانیہ نے مغربی جرمنی کے ساتھ ایک دوسرے پر انحصار رکھنے والوں معاہدوں کی تصدیق کی ہے اور یورپ کی دفاعی برادری (ای ڈی، سی) کے ساتھ قریبی سیاسی اور فوجی تعلقات کا رسمی طور پر حلف لیا ہے۔

بہر حال فرانس اور اٹلی کی طرف سے اس کی تصدیق ابھی التوا میں ہے

ان دونوں ملکوں میں یورپی دفاعی برادری کے مخالفین دونوں کے نتائج کے خوف سے تاخیری چالوں سے کام لے رہے ہیں۔ اس اثنار میں براعظم یورپ کے ملکوں میں کشیدگی دوبارہ ظاہر ہو رہی ہے۔ اور خطرہ ہے کہ منافرت پیدا کرنے والی پرانی قوتیں پھر قابو پالیں گی۔ اور پھر ایسے حالات پیدا کر دیں گی جو ماضی میں جنگ کا باعث بنیں۔ باہمی اتحاد کا وقت تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ حالیہ چند برسوں میں امریکہ نے مغربی یورپ میں بھاری سرمایہ لگایا ہے۔ ۱۹۱۶ء میں جب ایسا معلوم ہونے لگا کہ یورپ قیصر جرمنی کی فوجی حکومت کے قبضہ میں چلا جائے گا، تو ہم میدان جنگ میں کود پڑے اور عظیم انسانی طاقت اور اقتصادی ذرائع کام میں لاتے ہوئے ہم نے جابرانہ حکومت کے اس خطرے کو پیچھے ہٹانے میں مدد دی۔

۱۹۴۰ء میں دوبارہ جبکہ نازی جرمنی کی فوجوں نے یورپ کا بیشتر حصہ روند ڈالا تھا۔ امریکہ نے اپنے بوجھ سے پلڑہ بھاری کر دیا۔ اور جابرانہ حکومت کے نئے خطرے کو پسپا کرنے میں عظیم حصہ لیا۔ زمانہ مابعد جنگ کے دوران میں ہم نے یورپ کی امداد کے لئے ایک عظیم اقتصادی اور فوجی پروگرام بنایا۔ جو مارشل پلان اور شمالی اطلانتک معاہدے کی تنظیم کی تعمیر میں پایا جاتلے ہے۔

ایک ہی پشت میں ان تینوں کوششوں کے لئے ہمیں بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ امریکہ میں مشکل ہی سے کوئی ایسا گاؤں ہوگا جس نے ایسے نوجوانوں کے ناموں کی فہرست پیش کرنے کی عزت حاصل نہ کی ہو۔ جو مغربی تہذیب کے دفاع کے لئے لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں ہمارا فوجی قرضہ تقریباً تین ارب ڈالر تھا۔ لیکن موجودہ وقت میں یہ بڑھ کر دو کھرب ساٹھ ارب ڈالر بن چکا ہے۔ اس کا بڑا حصہ ان تین مساعی کے لئے ہمارے اخراجات کا منظر ہے۔ جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔

یورپ کے متعلق امریکہ کی پالیسی کی بنیاد یہ ہے کہ یورپ مضبوط اور جاندار ہو جس سے امریکہ اور باقی ماندہ آزاد دنیا کی سلامتی میں اضافہ ہو۔

بہر حال بنیادی بات یہ ہے کہ اپنی سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے یورپ کی اپنی غالب طاقت ہونی چاہیے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے اگر مغربی یورپ کے انفرادی ملکوں کے ذرائع یکجا کر لئے جائیں۔ دوسرے لفظوں میں اگر یورپ کو حقیقی طاقت حاصل کرنی ہے تو اپنی انفرادی صلاحیتوں کا بہترین اجتماعی استعمال کرنا ہوگا۔ اس قوت کی تعمیر کے لئے امریکہ جو مزید وسائل وقف کر سکتا ہے۔ اگر انہیں

اتحاد کے اصول پر منظم کئے ہوئے مغربی یورپ کے ذرائع سے نہ
 بلایا جائے۔ تو وہ بے معنی ہوں گے۔ اگر مغربی یورپ کو بٹا ہوا اور
 ہمیشہ کمزور ہی رہنا ہے تو شاید امریکہ کو اپنی پالیسی میں بنیادی تبدیلی
 کرنی پڑے۔ مجھے امید اور یقین ہے کہ ہمیں اس ضرورت کا سامنا نہ ہوگا
 لیکن ان مسئلوں کی اہمیت کو تسلیم نہ کرنا بڑی حماقت کے مترادف ہوگا۔
 اب جو شمالی اٹلانٹک معاہدے کی تنظیم کو آزمائش میں ڈالے ہوئے ہیں۔

امریکہ کے ممالک

امریکہ کے ملکوں کی بھی آزمائش کا عمل جاری ہے۔ ہمارا نصف
 کرہ ارض مقابلتاً لڑائی بھگڑاؤں سے آزاد رہا ہے۔ کیونکہ ۱۳۰ برس
 پہلے صدر منرو اور امریکی ریاستوں کے دوسرے بڑے بڑے رہنماؤں
 نے جو اصول قائم کئے تھے ان کا احترام کیا جا رہا ہے۔

دو بنیادی اصول تھے۔ اول یہ کہ امریکہ کی ریاستیں اس بات
 کو ہرگز برداشت نہیں کریں گی کہ یورپی طاقتیں اس نصف کرہ ارض میں
 اپنے نوآبادیاتی مقبوضات کو توسیع دیں۔

دویم یہ کہ وہ (امریکہ کی ریاستیں) اس بات کو بھی ہرگز برداشت
 نہیں کریں گی کہ یورپ کی کسی جابرانہ طاقت کا سیاسی نظام اس نصف

کرہ ارض میں توسیع پاسکے۔ امریکی ریاستوں نے مختلف نوعیت کے
 بیسیوں معاہدے اور اعلانات کر رکھے ہیں۔ اُن میں متذکرہ اصول
 واضح صورت میں درج ہیں۔ گزشتہ مارچ میں کیراکاس وینزویلا میں
 جو دسویں بین الامریکی کانفرنس مقرر ہوئی تھی۔ وہاں امریکہ کی ریاستوں
 کو یہ ناخوشگوار فرض ادا کرتے ہوئے یہ اعلان کرنا پڑا کہ اگر امریکہ کی کسی
 ریاست کے سیاسی اداروں پر بین الاقوامی کمیونزم نے قابو پالیا تو اس
 سے امریکی ریاستیں اور امن خطرے میں پڑ جائے گا۔ امریکہ کی صرف
 ایک ریاست نے اس قرارداد کے خلاف ووٹ دیا اور وہ تھی گوئٹ
 مالا کی ریاست۔ اس کے بعد کمیونسٹوں نے اپنے آہنی پردے کے پیچھے
 سے جنگی سامان سے بھرے ہوئے جہاز گوئٹ مالا بھیجے۔ یہ کام خفیہ طور
 پر جہازوں میں لدے ہوئے سامان کی جھوٹی فہرستوں اور جھوٹے چالانوں
 کے ذریعہ کیا گیا۔ یہ بات واضح ہے کہ غیر ملکی مداخلت جو کیراکاس کے اعلان
 کی وجہ بنی۔ زیادہ اعلانیہ صورت اختیار کر گئی ہے۔ اور امریکہ کی ایک
 ریاست میں غیر ملکی جابرانہ نظام حکومت کی غلامی کا امکان بڑھ گیا ہے۔
 ایک بہت سنگین مسئلہ کو تاریکی میں ڈالنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ یہ الزام
 لگایا گیا ہے کہ گوئٹ مالا کے بارے میں امریکہ کی اصل تشویش بین الاقوامی
 کمیونزم نہیں، بلکہ وہاں امریکہ اپنے سرمایہ کی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔

کئی مہینے ہوئے ریاستہائے متحدہ امریکہ کی حکومت نے تجویز کی تھی کہ گونٹ مالا سرکار اور یونائیٹڈ فروٹ کمپنی (میوہ فروش کمپنی) میں جو بھگڑا جاری ہے اُسے بین الاقوامی عدالت میں ثالثی کے لئے پیش کیا جائے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ گونٹ مالا کی سرکار اس تجویز کو قبول کرے گی۔ بہر حال میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ اگر گونٹ مالا میں امریکہ کے سرمایہ کا مسئلہ کل ہی تمام متعلقہ فریقوں کے کلی اطمینان کے مطابق حل ہو جائے پھر بھی اس نصف کرۂ ارض خصوصاً گونٹ مالا میں کیونسٹوں کی مداخلت کے خطرے کا جہاں تک تعلق ہے ریاستہائے متحدہ امریکہ کی سرکار کا رویہ بالکل وہی رہے گا جو آج ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ امریکی ریاستوں کی تنظیم گونٹ مالا کے عوام کو ان کی پرور قوتوں سے آزاد ہونے میں مدد دینے کے قابل ہوگی۔ جنہوں نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

اس تنظیم کے ایک رکن کی حیثیت سے ریاستہائے متحدہ امریکہ کو ناگزیر طور پر ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے گونٹ مالا کے عوام کی ان جرات مندانہ کوششوں سے ہمدردانہ دلچسپی ہے جو وہ کیونسٹوں کی ان کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے کر رہے ہیں۔ جن کا مقصد گونٹ مالا کی آزادی اور خود مختاری کو تباہ کرنا ہے۔ اگر وہ اپنی ان کوششوں

میں کامیاب نہ ہوئے۔ تو بین ممکن ہے کہ امریکی ریاستوں کی ساری تنظیم میں خرابی پیدا ہو جائے اور ہم امریکی براعظموں میں انہیں قوتوں کو کام کرتے ہوئے دیکھیں۔ جنہوں نے یورپ اور ایشیا کے کروڑوں لوگوں کے لئے جنگ غلامی اور مصیبت پیدا کی ہے۔

یہ ایک ناپاک چال ہے۔ میں اس بات میں یقین رکھتا ہوں کہ پُر امن اجتماعی کارروائیوں سے اس کی روک تھام کی جائے گی۔ اگر ایسا ہوا تو امریکی ریاستوں کی تنظیم ایک نئی وقعت حاصل کرے گی۔ نیا اثر و رسوخ استعمال کر سکے گی۔ اور امریکی جمہوریتیں یہ دکھا دیں گی کہ اختلاف میں اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس سے انتشار نہیں بلکہ روشن خیالی پر مبنی اقدام ہوگا۔

ریاست متحدہ امریکہ کا رویہ

اختتام پر مجھے اُن بین الاقوامی مسائل کے بارے میں اپنے ملک، اس کی حکومت اور اس کے عوام کے رویہ کے بارے میں چند الفاظ کہنے ہیں۔ ہمارا یہ خیال نہیں کہ ہمیں دنیا کا نظام چلانے کے لئے کوئی حکمنامہ ملا ہوا ہے۔ بے شک ایسی کوئی اور بات نہیں ہو سکتی جو ہماری روایات اور آدرشوں کے ساتھ اس سے زیادہ کم مطابقت

رکھنے والی ہو۔ اسد قوم کے بانیوں نے اس کے اندر پر چار کی روح
 پھونکی ہے۔ انہوں نے ہمارے عوام کو تلقین کی کہ وہ اپنے چلن اور مثال
 سے دوسروں کو دکھائیں کہ آزاد سماج نیک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ یہی
 ہماری بنیادی خارجہ پالیسی رہی ہے۔ اور آج بھی ہے۔ اسی پشت میں
 ہم نے دوبار اپنی روایات سے انحراف کیا۔ وسیع فوجی طاقت منظم
 کی اور اسے ملک سے باہر استعمال کیا۔ ہمارے بڑے بحری اور فضائی
 فوجیں کرۂ ارض کے بیشتر حصے پر پھیل گئی تھیں۔ دونوں حالتوں میں جوہی
 مشترکہ خطرہ ختم ہوا۔ ہم نے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔ ہم نے اپنی
 فوجوں کو بہت حد تک توڑ دیا۔ اور اپنے معاملات پر تمام تر توجہ
 لگا دی۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ جدید حالات میں بہت حد تک ایک
 دوسرے پر دار و مدار رکھنا پڑتا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے
 پاس اس قدر طاقت ہے جس کے ساتھ بعض ذمہ داریاں بھی ہم پر
 عائد ہوتی ہیں۔ بنیادی طور پر ہم مذہب کے پابند لوگ ہیں۔ جو
 انسانی بھائی چارے اور سنہری اصول پر عمل کرنے کی ضرورت میں یقین
 رکھتے ہیں۔ اسی لئے ہم سلامتی کا ماحول حاصل کرنے میں دوسروں کی مدد
 کرتے ہیں تاکہ وہ بھی اُن آدرشوں کو پاسکیں جو ان کے اور ہمارے درمیان
 مشترک ہیں۔

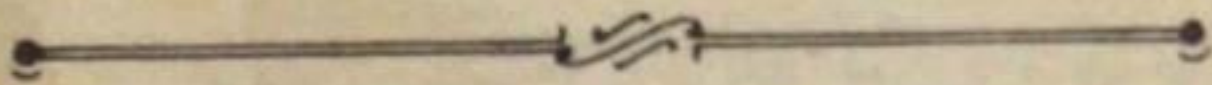
بہر حال اس سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ دُنیا بھر میں جو کچھ ہوتا رہتا ہے امریکہ ان سب باتوں کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ ہم اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے کہ جب بھی کسی جگہ کوئی جھگڑا ہو تو وہ امریکہ کا ہی قصور ہوتا ہے اور ہمیں اُسے جلدی سے ختم کرنا چاہیئے۔ امریکہ اس بات میں بھی یقین نہیں رکھتا کہ وہ اکیلا ہی دوسرے ملکوں کے مسائل حل کر سکتا ہے۔ ان کے حل کرنے کے امکانات ادلاً ان قوموں کے ہاتھ میں ہیں جن کا اُن سے براہ راست تعلق ہے۔

بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ دوسرے جان بوجھ کر محض اس دلیل پر غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرتے ہیں کہ امریکہ اس کے خطرناک نتائج کو روک دے گا۔

ہمارے فرض کے متعلق اکثر غلط تصور باندھا جاتا ہے۔ شاید یہ بات ناگزیر بھی ہے۔ اسی بات کا خیال نہیں کیا جاتا کہ کسی قوم کو اپنے ذاتی مفاد پر غور کرتے وقت بھی بالغ النظری سے کام لینا چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیئے کہ اپنی سیاسی طاقت یا ملکی قلمرو کو وسعت دینے کی خواہش کے بغیر دوسروں کے مفاد کے لئے بہت کچھ کیا جائے۔

بعض اوقات ہمارے ارادوں پر برملا شبہ کیا جاتا ہے اس سے ہمارے لئے یہاں امریکہ میں درست راستے پر چلنا دشوار ہو جاتا ہے

بہر حال مجھے امید اور یقین ہے کہ ہم اپنے روایتی طریقے پر
 عمل کرتے رہیں گے۔ اور کسی کو یہ خوف کھانے کی ضرورت نہیں کہ ہم
 میں اتقدار حاصل کرنے کی غیر صحت مندانہ ہوس پیدا ہوگی۔ میں
 یقین رکھتا ہوں کہ ہم دوسروں کی امداد جاری رکھیں گے۔ تاکہ وہ
 امن، سلامتی، بہتر معیار زندگی اور وسیع تر آزادی حاصل کرنے
 میں اپنی مدد آپ کر سکیں۔



9